اسلام کا آغاز
شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

اسلام کا آغاز
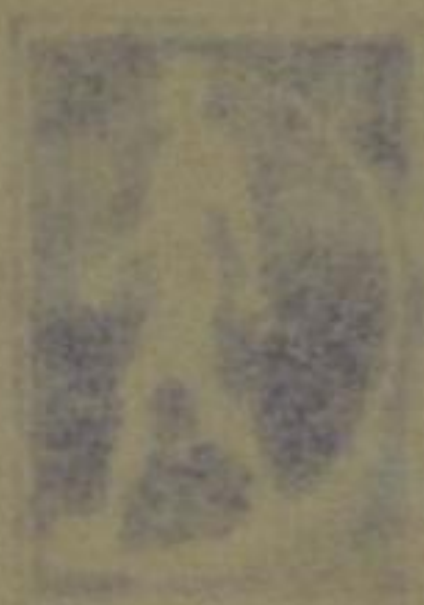
بچّوں کی لائبریری

شیخ غلام علی اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور

سلسلہ بچوں کی لائبریری نمبر ۴۳

بار ________ دوم

قیمت ________ ۱۴ر

شیخ نیاز احمد پرنٹر پبلشر نے پاکستان ٹائمز پریس لاہور میں
چھپوا کر شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

ہمارے ہاں اُردو زبان کی تعلیم کم و بیش ایک سو برس سے جاری ہے لیکن تعجب ہے کہ اس لمبی مدّت میں بچّوں کے لیے چھوٹی چھوٹی کتابوں کا کوئی ایسا سلسلہ تیار نہ ہوسکا جس میں ہر علم و فن کے متعلق ضروری باتیں جمع ہوجائیں۔ اور زبان نہایت سادہ، سلیس اور سہل ہوتی۔ نیز اندازِ بیان میں بچّوں کے درجات فہم کا پُورا پُورا خیال رکھا جاتا۔ محکمہ تعلیم کے ارباب بسط و کشاد کی توجہ عموماً انھیں کتابوں پر جمی رہی، جنھیں عام اصطلاح میں "کتب نصاب" کہا جاتا ہے یعنی وہ کتابیں، جو مختلف جماعتوں میں سبقاً سبقاً پڑھائی جاتی ہیں۔ بعض اصحاب نے ان کے علاوہ بھی متفرق کتابیں شائع کیں۔ جو "لائبریری بکس" کے نام سے منظور ہوکر مختلف درسگاہوں کے کتب خانوں میں پہنچتی رہیں، لیکن یہ کتابیں نہ کسی منظم و مرتب سلسلے کے مطابق تیار ہوئیں، نہ ان کی ترتیب میں نونہالوں کی تربیت کے بنیادی اصول پیشِ نظر رکھے گئے، نہ ان میں ضروری علوم و فنون کے متعلق جامع معلومات بہم پہنچانے کا خیال رکھا گیا۔ یہ زیادہ تر افسانوں یا کہانیوں تک محدود رہیں۔ افسانے اور کہانیاں بھی عموماً بے مقصد تھیں۔ انگریزی زبان میں بچّوں کے لیے مختلف درجوں کی کتابیں دیکھیں تو حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح ہر قسم کی معلومات کے بیش بہا ذخیرے فراہم کر دیے گئے ہیں اور ترتیب کا انداز ایسا رکھا گیا ہے کہ بچّے انھیں دلی شوق سے پڑھیں۔ ان کتابوں سے انگریزی خواں بچّے جو معلومات حاصل کر لیتے ہیں، وہ ہمارے ہاں کے اچھے تعلیم یافتہ اصحاب کو بھی

شاذ ہی حاصل ہوتی ہیں۔ اس کمی کی تلافی کا مدّت سے خیال تھا۔ ہم پہلے ہی مرحلے پر انگریزی زبان کے ذخیروں جیسا کوئی سلسلہ تو پیش نہیں کر سکتے۔ لیکن اس اہم کام کا آغاز کر دینا چاہتے ہیں۔ ہم نے اس سلسلے کا نام "بچّوں کی لائبریری" تجویز کیا ہے اور چھوٹے بچّوں کے درجۂ فہم کے مطابق ہر ضروری علم و فن کے متعلق متعدد چھوٹی چھوٹی کتابیں تیار کرائی ہیں۔ ان کی تیاری میں مندرجہ ذیل مقاصد بطور خاص پیشِ نظر رہے ہیں:-

۱۔ ان کتابوں کو بچّے استادوں کی مدد کے بغیر پڑھ سکیں اور ان میں تحصیل علم کا مذاق پرورش پائے۔

۲۔ درجاتِ فہم کے مطابق وہ تمام معلومات انھیں حاصل ہو جائیں، جو دَورِ حاضر میں ہر ترقی پذیر اور زندہ قوم کے نونہالوں کے لیے ضروری ہیں۔

۳۔ کتابیں اس انداز میں لکھی جائیں کہ معلومات کے علاوہ ہمارے بچّوں کی اخلاقی تربیت قومی اصول و مقاصد کے مطابق ہوتی جائے۔

۴۔ کتابوں کی قیمت ایسی ہو کہ ہر بچّہ انھیں بہ آسانی خرید سکے۔ اور اپنے ذوق کے مطابق لائبریری جمع کرتا جائے۔

۵۔ ابتدائی درجوں ہی میں بچے اس روح کو اپنے اندر جذب کر لیں، جس پر ہماری قومی تعلیم کا انحصار ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سلسلے کو خواہش کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور قومی تعمیر میں امداد کی جن بلند آرزوؤں کے ساتھ اس کام کا آغاز کر رہے ہیں، وہ بہتر سے بہتر صورت میں پُوری ہو:

ناشرین

اِسلام کا آغاز

(۱)

اِسلام

ہمارا تُمھارا دِین اِسلام ہے۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی دُنیا میں آ گیا تھا اَور جب تک اِنسان زمین پر باقی ہیں، یہ بھی باقی رہے گا۔

خُدا نے اپنے بندوں کو نیکی کا سبق پڑھانے اور اُنھیں سِیدھے راستے پر لگانے کے لیے جِتنے نبی اَور رسول

بھیجے، وہ سب اِسلام ہی کا پیغام لے کر آئے تھے۔ ان سب کا دِین یہی تھا۔ اسی کی طرف تمام آدمیوں کو بُلاتے رہے۔ ان نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفٰےؐ تھے۔ ان پر ہمیشہ کے لِیے لاکھوں درود اور سلام ہوں۔ وہ سب کے پیچھے آئے۔ ان پر نبیوں اور رسولوں کا آنا ختم ہو گیا۔ خُدا اپنے بندوں کی بھلائی کے لِیے جو کچھ بتانا چاہتا تھا، وہ بتا دیا گیا۔ کوئی نئی بات بتانے کی ضرورت نہ رہی۔ اب خُدا کی بارگاہ میں اس دِین کے سوا کوئی دِین قبول نہ ہوگا، جو حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم لائے اور جو اس پاک

ذات پر پُورا ہو گیا۔
"اسلام" کا مطلب ہے خُدا کا فرمانبردار بن جانا، اس کے حُکموں کو دِل اَور جان سے مان لینا اَور اپنے آپ کو خُدا کے حوالے کر دینا۔ سوچو کہ جو بندہ اپنے پَیدا کرنے والے اَور پالنے والے خُدا کا فرمانبردار بن جائے، اس کے حُکموں پر ٹھیک ٹھیک چلے، اپنے آپ کو اَور اپنی ہر چیز کو خُدا کے حوالے کر دے، اس سے بڑھ کر نیک بخت کون ہو گا؟ ایسے ہی آدمی کو ہم سب سچّا مسلمان کہتے ہیں۔
جو بیٹا ماں باپ کا حُکم نہ مانے، ان کے حق پُورے نہ کرے، اُسے

کون اچھا سمجھے گا؟ جو شاگرد اپنے اُستاد کا کہنا نہ سُنے اور اس کی نصیحتوں پر کان نہ دھرے، وہ کیا پھل پائے گا؟ خُدا کا حق ہم پر ماں باپ اور اُستاد سے کہیں زیادہ ہے۔ اسی نے ہم کو پیدا کیا۔ وہی ہمیں روزی دیتا ہے۔ اسی کی رحمت سے ہمارے بگڑے ہُوے کام کاج سنورتے ہیں۔ اسی کا فضل دُنیا کی زندگی اور موت کے بعد کی زندگی میں ہمارا سہارا ہے۔ اگر ہم اس کے حُکموں کو نہ مانیں، تو نہ دُنیا میں بھلائی کی کوئی اُمید رہے، نہ آخرت میں۔

پھر خُدا نے جو حُکم دیے، ہمارے ہی فائدے کے لیے دِیے۔ اُس بندے

سے بڑھ کر ناشکرا، اور بے نصیب کون ہوگا، جو رحیم اور کریم خدا کے حکموں سے سر پھیرے اور اپنا نقصان کرے؟ ان حکموں کو ماننے ہی کا نام اسلام ہے۔ ہم سب کو دعا کرنی چاہیے کہ خدا ہمیں اسلام پر قائم رکھے۔ سیدھے راستے پر چلائے۔ ہم سے نیکی کے کام لے اور برائیوں سے بچائے۔ ہم اس کے شکر گزار بندے بنیں۔ دنیا اور آخرت میں رحمت کے پھولوں سے ہماری جھولیاں بھری رہیں۔

خدا کے آخری رسول

تم روز دیکھتے ہو کہ رات ہوتی ہے،

تو تارے آسمان پر جگ مگ جگ مگ
کرنے لگ جاتے ہیں۔ کچھ اتنے چھوٹے
ہوتے ہیں کہ ہم انھیں اچھّی طرح دیکھ
بھی نہیں سکتے۔ کچھ اتنے روشن ہوتے
ہیں کہ صاف نظر آتا ہے، ان کی
جھلک لہریں بن بن کر زمین تک
پہنچ رہی ہے۔ کبھی کبھی رات کے وقت
آسمان پر کالی گھٹائیں چھا جاتی
ہیں، تو ایک بھی تارا دکھائی نہیں
دیتا اور رات بہت ڈراونی بن جاتی
ہے۔ سوچو کہ اگر تارے نہ ہوتے، تو
ہمیں کیسی مصیبتیں پیش آتیں۔ تاروں
کو دیکھ کر آدمی ان بیابانوں میں بھی
رات کے وقت آتے جاتے رہتے ہیں،
جہاں دُور دُور تک آبادی کا نِشان

بھی نہیں ہوتا۔ تارے نہ ہوتے، تو
انھیں راستہ کیوں کر ملتا؟
چاند نِکل آتا ہے، تو اس ایک
کی روشنی سیکڑوں تاروں سے بھی زیادہ
ہوتی ہے۔ ہمیں دُور دُور تک چھوٹی
بڑی چیزیں نظر آتی ہیں۔ بے فکر ہو کر
ہر جگہ پھرتے ہیں اور کچھ کام کاج
بھی کر لیتے ہیں۔ چاند کی روشنی میں
کسی کو تاروں کا خیال بھی نہیں آتا۔
جب سُورج کی آنکھ کھلتی ہے اور
اس کی کرنیں دُنیا کو روشنی سے بھر
دیتی ہیں، تو نہ کسی کو تاروں کی
ضرورت رہتی ہے، نہ چاند کی۔ گھٹائیں
بھی چھا جائیں، آندھی بھی آ جائے،
تو اِتنی روشنی ضرور رہتی ہے، جس کی

برابری چاند اور تارے مِل کر بھی نہیں کر سکتے۔

یہ نظارا تم روز دیکھتے ہو، اسی کو سامنے رکھ کر نبیوں اور رسولوں کی حالت پر غور کرو۔ وہ سب خدا کی طرف سے روشنی لے کر آئے تھے تاکہ لوگ اندھیرے میں ٹھوکریں نہ کھائیں۔ کسی کی روشنی تاروں جیسی تھی، کسی کی چاند جیسی۔ خُدا کے آخری رسولؐ دُنیا میں تشریف لے آئے تو سمجھنا چاہیے کہ نیکی اور سچائی کا سُورج نکل آیا۔ دِن روشن ہو گیا۔ سیدھا راستہ سب نبیوں نے دکھایا، مگر کسی کی مثال تارے کی تھی کہ ہر شخص اسے دیکھ کر سمجھ جائے، کِدھر جانا

اَور کہاں پہنچنا ہے۔ کوئی چاند تھا کہ چمکا تو ہر طرف دُودھیا سی روشنی پھیل گئی۔ اندھیرا بھی نہ رہا، دِن بھی نہ نِکلا۔ دونوں کے بِیچ بِیچ کی سی حالت رہی۔ جب آخری رسول دُنیا میں آئے، تو ہدایت کا سُورج نِکل آیا۔ پورب، پچھم، اُتر، دکھن نُور کی لہریں دَوڑ گئیں۔ کُل جہان روشن ہو گیا۔ جب تک دُنیا باقی ہے، اسی سُورج کی چمک سب کو خُدا کا راستہ دکھاتی رہے گی۔ اس روشنی کے بغیر کوئی اس جگہ کا نشان نہ پا سکے گا، جہاں ہم سب کو پہنچنا چاہیے۔ اسی روشنی کے پیچھے پیچھے چلنا اسلام ہے اَور اسی میں

ہمارے لیے دین اور دُنیا کی بھلائیاں ہیں۔

دُنیا کی حالت

حضرت عیسٰے علیہ السلام بڑے پیغمبر گزرے ہیں۔ انھیں اس جہان سے اُٹھے ہوئے پانسو اکھتّر سال گزر چکے تھے، جب خدا کے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفٰےؐ پیدا ہُوئے۔ اس وقت دُنیا کی حالت بڑی خراب تھی۔ ہر طرف اندھیرا چھایا ہُوا تھا۔ دائیں بائیں، آگے پیچھے کسی طرف روشنی کی کوئی معمولی سی جھلک بھی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ پیغمبروں نے ہدایت کے جو چراغ اپنے اپنے وقتوں میں جلائے تھے، وہ ایک

ایک کر کے بجھ چکے تھے۔ لوگوں کے
چلن بگڑ گئے تھے۔ عقیدے خراب اور
اخلاق برباد ہو چکے تھے۔

بھلا کوئی سمجھ سوچ والا آدمی پتھر کی
مورتیوں سے بھی مراد مانگتا ہے؟ سورج
چاند اور تاروں کی بھی پوجا کرتا ہے؟
دیوتاؤں، پہاڑوں اور درختوں کے آگے
بھی جھکتا ہے؟ جانوروں کے سامنے
بھی ماتھا ٹیکتا ہے؟ یہ چیزیں کسی
کو کیا نفع دے سکتی ہیں یا کیا
نقصان پہنچا سکتی ہیں؟ جس زمانے
کا ہم ذکر کر رہے ہیں، دنیا میں
یہ سب کچھ ہوتا تھا۔ لوگ خدا
کو بھول چکے تھے، اس کی بنائی
ہوئی چیزوں کو پوجتے تھے۔ نیکی کے

گھُن بسٹ چکے تھے۔ بُرائیاں عام ہو
چُکی تھیں۔ جانوروں کو دیکھو کہ وہ
کِس طرح مِل جُل کر رہتے ہیَں۔ ریوڑ
کے ریوڑ جنگل میں چَرتے ہیَں۔ نہ
ایک دُوسرے کو کھانے پینے سے منع
کرتے ہیَں، نہ چلنے پھِرنے سے روکتے
ہیَں۔ پرندوں پر نظر ڈالو، ایک ایک
درخت پر دس دس بیِس بیِس گھونسلے
بنا لیتے ہیَں۔ دن بھر اِدھر اُدھر
اُڑتے پھِرے، جہاں سے کسی کو جو
کچھ مِلا اُچگ کر پیٹ بھَرا، پھِر اپنے
گھونسلوں میں آ گئے۔ نہ لڑائی، نہ
مار پیٹ، نہ جھگڑا، نہ ٹنٹا۔ آدمیوں
کو خُدا نے سب سے اُونچے درجے
پر بِٹھایا تھا، لیکن ان کی حالت

یہ تھی کہ جانوروں اور پرندوں سے بھی نیچے گر چکے تھے ۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے آپس میں لڑ بھڑ کر کُنبوں کے کُنبے کٹ مرتے ۔ ایک بار جھگڑا چھڑ جاتا تو دو دو ، تین تین پُشتوں تک اس کی آگ سلگتی رہتی ۔

آدمیوں نے اس دُنیا میں امن سے رہنے سہنے کے لیے جو قاعدے قانون بنائے تھے ، ان میں تین چیزیں سب سے پہلے رکھّی تھیں : ایک یہ کہ کوئی کسی کی جان نہ لے ۔ دوسری یہ کہ کسی کے مال کو نہ چھیڑے ۔ تیسری یہ کہ کوئی کسی کی آبرو پر ہاتھ نہ بڑھائے ۔ جہاں یہ تین چیزیں نہ ہوں ، وہاں جینا سچ مچ دُوبھر ہو جائے ۔

آخری رسولؐ کے آنے سے پہلے ان تین
چیزوں کی عزت مٹ چکی تھی۔ خدا
نے سب کو ایک جیسا پیدا کیا تھا۔
کالے گورے میں کوئی فرق نہیں رکھا
تھا۔ خدا کے نزدیک اچھا آدمی وہی
ہو سکتا تھا، جس کے کام اچھے تھے۔
لیکن دنیا والوں نے اپنی غرضوں کے
لیے آدمیوں کو چھوٹی بڑی ٹکڑیوں میں
بانٹ رکھا تھا۔ ذات پات اور رنگ
خون کے بندھن ہر جگہ موجود تھے۔
نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ ایک
گروہ کے آدمی دوسرے گروہ کے آدمیوں
سے چھو جاتے، تو سمجھتے کہ ناپاک ہو
گئے ہیں۔ آدمیوں کو غلام اور بردے
بنا کر بیچا جاتا۔ ان بردوں اور غلاموں

سے وہ کام لیے جاتے، جو آج کل حیوانوں سے بھی لیے جائیں، تو مجرم ٹھہریں۔

خُدا نے جو نعمتیں آدم کی پُوری اولاد کے لیے پَیدا کی تھیں، ہر دیس میں چند آدمی ان کے مالک بَن بَیٹھے تھے۔ آدمیوں کو دُکھوں اَور مُصیبتوں نے گھیر لیا تھا۔ ان کے دِل ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے تھے، ان کی جانیں رو رہی تھیں، ان کی آنکھیں بار بار آسمان کی طرف اُٹھ رہی تھیں۔

خُدا کی رحمت سے اس اندھیرے میں اُجالا ہُوا اَور وہ پاک رسولؐ اس دُنیا میں آیا، جو جہانوں کے لیے رحمت بننے والا تھا۔ اِیمان اَور اخلاق

کی اُجڑی ہوئی بستیاں پھر سے آباد ہوئیں۔ خدُا سے ٹُوٹے ہوئے رِشتے نئے سِرے سے جُڑ گئے۔ یہی پاک رسولؐ تھا، جِس کے آنے کی دُعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین ہزار برس پہلے مانگی تھی۔ یہی پاک نُور تھا، جِس کے چمکنے کی خوش خبری حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سُنائی تھی۔

شروع کی زِندگی

رسول پاکؐ عرب دیس کے اس گھرانے میں پیدا ہوے، جسے سب سردار مانتے تھے۔ والد آپؐ کے پیدا ہونے سے چند مہینے پہلے فوت ہو چکے تھے۔ والدہ اس وقت فوت ہوئیں، جب آپؐ

گُل چھ برس کے تھے۔ نہ کوئی بھائی، نہ کوئی بہن۔ دادا زندہ تھے۔ انھوں نے محبّت سے پالا۔ دو برس بعد وہ بھی چل بسے۔

سوچو کہ کسی بچّے پر اس سے بڑی مصیبتیں بھی آ سکتی ہیں کہ اسے پیار کرنے والے، سَر آنکھوں پر بِٹھانے والے، ایک ایک کرکے گُزر جائیں، جبکہ بچّے نے ہوش بھی نہ سنبھالا ہو؟ اور یہ سارے دُکھ، ساری مُصیبتیں اس پاک ذات پر بچپن میں گزُریں، جو ساری دُنیا کے سر پر ماں باپ سے بڑھ کر محبّت کا سایہ پھیلانے والی تھی۔

دادا نے مرتے وقت یتیم پوتے کو اس کے چچا کو سونپا۔ چچا نے اس

لاڈ پیار سے پالا کہ والد اور والدہ بھی
زِندہ رہتے، تو اس سے زیادہ نہ کر سکتے.
طبیعت میں نیکی اور پاکیزگی اس طرح
بھری ہوئی تھی کہ لوگوں نے لڑکپن ہی
میں آپؐ کو "امین" (ایماندار) اور "صادق"
(سچّا) کے لقب دے دیے تھے۔

جوان ہوے تو خیال آیا کہ کوئی کام
کاج کرنا چاہیے۔ آپؐ کی برادری اور
شہر کے لوگ بیوپار کرتے تھے۔ اپنے
ہاں کی چیزیں آس پاس کے مُلکوں
میں لے جاتے۔ وہاں کی چیزیں اپنے
ہاں لے آتے۔ آپؐ نے بھی بیوپار ہی
کرنے کا فیصلہ کیا۔ شہر کی ایک دولت مند
خاتون کو ایک دیانت دار کارکُن
کی ضرورت تھی۔ وہ آپ کے بارے

میں لوگوں سے بہت اچھی باتیں سُن چکی تھی۔ اس نے خود آپ کو بُلا کر اپنا مال حوالے کیا۔ ایک ملازم ساتھ کر دیا۔ آپؐ شام کے مُلک میں گئے۔ اچھّے داموں مال فروخت کیا اور پہلے سے زیادہ نفع لے کر آئے۔ اس خاتون کو آپؐ کی نیکی، پاکیزگی اور دیانت داری کا ذاتی تجربہ ہو گیا، تو ایک سہیلی کے ذریعے سے نکاح کا پیغام بھیجا۔ اس طرح پچیس برس کی عمر میں آپؐ کی شادی ہوئی۔

آپؐ بیوپار کرتے رہے۔ لوگوں میں جھگڑے اُٹھتے، تو انھیں بھی نِپٹا دیتے۔ ایک دفعہ شہر میں بہت سا پانی آ گیا۔ اس سے خانہ کعبہ کی دِیواریں

بھی پھٹ گئیں۔ لوگوں نے خُدا کے
اس پاک، گھر کو مِل جُل کر نئے سِرے
سے بنایا۔ خانہ کعبہ کی ایک خاص
عِبادت یہ ہے کہ لوگ اس کے
اِرد گِرد سات مرتبہ چکّر لگا کر دو
رکعتیں پڑھتے ہیں۔ رات دِن ہزاروں
آدمی چکّر لگاتے رہتے ہیں۔ صِرف
نمازوں کے وقت میں یہ چکّر بند
ہوتے ہیں۔ چکّر شروع کرنے کے
لیے خانہ کعبہ کے ایک کونے میں
کالے رنگ کا ایک پتّھر حضرت ابراہیمؑ
نے نشان کے طور پر لگا دیا تھا۔
اسے حجرِ اسود (کالا پتھر) کہتے ہیں۔
جب اس پتّھر کو دیوار میں لگانے
کی نوبت آئی، تو لوگوں میں جھگڑا

ہو گیا ۔ ہر سردار چاہتا تھا کہ یہ پتّھر اس کے ہاتھ سے لگے ۔ جھگڑا اتنا بڑھا کہ تلواریں کھچ گئیں ۔ کچھ لوگوں نے لہو بھرے پیالے میں اُنگلیاں ڈبو دِیں ۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ وہ جانیں دے دیں گے ، لیکن اپنی ہَٹ نہ چھوڑیں گے ۔

عین اس موقع پر رسولؐ پاک خانہ کعبہ میں آئے ۔ سب لوگوں نے کہا کہ آپؐ فیصلہ فرما دیں ۔ آپؐ نے چادر پھیلا دی ۔ پتھر اٹھا کر اس پر رکھا ۔ پھر سب سرداروں سے کہا کہ چادر کے کونے پکڑ کر اُوپر اُٹھائیں ۔ جب پتّھر اپنی جگہ کے برابر پہنچا ، تو آپؐ نے اسے اٹھا کر دِیوار

میں لگا دیا۔ اس طرح سب خوش
ہو گئے اور جھگڑا مِٹ گیا۔

پیغمبری مِلنا

جب آپؐ کی عمر پینتیس چھتیس
برس کی ہوئی، تو خُدا کی عِبادت کا
شوق بہت بڑھ گیا۔ ہر دَم یہی
خیال رہتا کہ کسی الگ تھلگ جگہ
میں اپنے پیدا کرنے اور پالنے والے
سے لَو لگا کر بیٹھے رہیں۔ مکّہ سے
باہر کوئی تین مِیل پر ایک ٹیلہ ہے،
جو باقی ٹیلوں سے کٹا ہوُا ہے۔
دُور سے دیکھیں، تو معلوم ہو کہ
کوئی پُرانا بُرج ہے۔ اس کے اُوپر
چڑھ جائیں، تو ایک طرف بڑی بڑی

سِلیں اُوپر سے مِل گئی ہیں اور اس
طرح ایک چھوٹی سی چھولداری بن
گئی ہے، جس میں ایک آدمی کھڑا
بھی ہو سکتا ہے اور لیٹ بھی سکتا
ہے۔ اس ٹیلے کا نام "حرا" ہے
اور اس وجہ سے غار کو غارِ حرا کہتے ہیں۔
رسولؐ پاک دو دو، تین تین دِن
کے کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لے
لیتے اور اس غار میں جا بیٹھتے۔
اس جگہ آپؐ کو عمر کے چالیسویں
سال خدا نے وہ نعمت دی، جسے
پیغمبری کہتے ہیں۔ اس وقت سے
آپؐ کے ذمّے یہ کام لگا کر بندوں
کو سیدھے راستے پر لگایا جائے اور
خدا کے حکموں پر ان کا سَر جھکایا

جائے۔ بے شک اس سے بڑی نعمت
خُدا نے اپنے کسی بندے کو نہیں دی
تھی۔ لیکن یہ بھی جان لینا چاہیے کہ
اس سے زیادہ کٹھن کام اَور اس سے
بڑی ذمّہ داریاں بھی آج تک کسی
بندے پر نہیں ڈالی گئی تھیں۔ رسولؐ
پاک نے بعد کے تیئس برسوں میں یہ
ذمّہ داریاں پُوری کیں۔ اس طرح خُدا
کی دی ہوئی نعمت کا ٹھیک ٹھیک
شُکر اَدا کیا۔ جب آپؐ اس جہان
سے اُٹھے، تو تمام نیک اَور شُکر گزُار
بندوں کی زبانیں گواہی دے رہی
تھیں کہ آپؐ نے خُدا کا پیغام اسی
طرح پہنچایا، جس طرح پہنچانا چاہیے تھا۔
اس بات پر کچھ کم چودہ سَو برس

گزر چکے ہیں، اس لمبی مدّت کے دِنوں
اور راتوں میں کوئی ایسا نہیں آیا کہ
آپؐ کے لیے درود اور سلام کی لہریں
زمین سے اُٹھ کر آسمان کی طرف نہ
گئی ہوں اور جب تک دُنیا باقی ہے،
یہ لہریں برابر اُٹھتی رہیں گی۔ یہ
نہایت اُونچا رُتبہ کسی دوسرے بندے
کو نہ مِلا۔

رسول پاکؐ نے اسلام کا پیغام
پہلے پہل ان لوگوں کو پہنچایا، جو آپؐ
سے بہت نزدیک تھے۔ مثال کے طور
پر عزیز، رشتہ دار، دوست اور ملنے
جُلنے والے لوگ۔ پھر بستی کے سب
لوگوں کو یہی باتیں سُنائیں۔ اس کے
بعد بستی کے آس پاس جو لوگ

بَستے تھے، ان کے پاس پہنچے۔ پُوری
قوم کو پُکارا۔ آخر میں ہَر دیس اَور
ہَر مُلک کو اسی راستے پر لانے کا
انتظام فرمایا۔

ایسے لوگ بھی تھے، جنھوں نے
رسول پاکؐ کی زبان سے سچائیَ کی
باتیں سُنیں اَور انھیں مان لیا۔ ایسے
بھی تھے، جو کچھ دیر تک فضول وسوسوں
میں پڑے رہے۔ کبھی خیال آتا کہ مان
لیں۔ پھر جب دیکھتے کہ ماننے والے
تھوڑے ہیں اَور نہ ماننے والے زیادہ
ہیں، تو دُبدا میں پڑ جاتے۔ ایسے بھی
تھے، جنھوں نے زندگی کے آخری سانس
تک سچائیَ کو قبول نہ کیا اَور اس
کے خلاف لڑتے بھڑتے ان کے دَم

پُورے ہوے۔

جن نیک بندوں نے شروع ہی میں اِسلام قبول کیا، ان میں دولت مند بھی تھے اَور غریب بھی۔ اَیسے بھی تھے، جن کے عزیز اَور رِشتہ دار بہت زیادہ اَور بڑے رعب والے تھے۔ ایسے بھی تھے جِن کا کوئی حامی اَور مددگار نہ تھا۔ ان سب پر تھوڑی یا زیادہ آفتیں آئیں۔ تم پڑھ چکے ہو کہ رسول پاکؐ کو لوگ سَر آنکھوں پر بِٹھاتے تھے۔ جب آپؐ کی زبانِ مبارک سے اسلام کا پیغام سُنا، تو سیکڑوں عقل کے اندھے آپؐ کی جان کے لاگُو بن گئے۔ خُدا کے پاک رسولؐ اَور آپؐ کے ساتھیوں نے مکّے میں دس برس تک جو مصیبتیں

اُٹھائیں ، جو کڑیاں جھیلیں ، جن تکلیفوں
میں زندگیاں بسر کیں ، ان کا ذِکر پڑھ
کر بھی بدن کا رؤاں رؤاں کانپ اُٹھتا
ہَے ؞

مُسلمانوں کی مُصیبتیں

اِسلام خُدا کا بَنایا ہوا سیدھا راستہ
ہَے ۔ اس پر چلنا بہت ہی سہل اور
بہت ہی آسان ہَے ۔ لیکن جب جھُوٹ
اَور کجی کے پُجاری نیکی کے جانی دُشمن
بن جائیں، تو سچائی پر قائم رہنا
بہت کٹھن ہو جاتا ہے ۔ ایسی حالت
میں وہی خوش نصیب اپنا ایمان بچا
سکتے ہیں ، جن کو خدا کی مدد حاصل
ہو ۔

مُسلمانوں کو دُشمنوں نے شروع شروع
میں جو تکلیفیں دیں، وہ بہت ہی
سخت تھیں۔ حضرت بلالؓ کو کون مُسلمان
نہیں جانتا؟ یہ بیچارے غلام تھے۔
ان کا مالک بڑا ہی ظالم اور بے درد
تھا۔ یہ اسلام لائے، تو مالک نے ان
پر جینا دُوبھر کر دیا۔ انھیں بُھوکا رکھتا۔
ان کی گردن میں رسّی باندھ کر لڑکوں
کے ہاتھ میں دے دیتا۔ وہ حضرت
بلالؓ کو بازاروں اور گلیوں میں گھسیٹتے
پھرتے۔ تیز دُھوپ میں زمین جل کر توا
بن جاتی، تو ظالم مالک حضرت بلالؓ
کو زمین پر لِٹا دیتا اور آپ کی
چھاتی پر گرم گرم بھاری بھاری پتّھر
رکھ دیتا۔ حضرت بلالؓ ان سب

تکلیفوں کو صبر کے ساتھ سہ لیتے اور
زبان پر صرف ایک صدا ہوتی کہ "خدا
ایک ہے، خدا ایک ہے" اسی سچائی
سے ان لوگوں کو چڑ تھی۔ حضرت
بلالؓ ہر دُکھ اُٹھا سکتے تھے مگر سچائی
کو کیوں کر چھوڑ سکتے تھے؟

حضرت یاسرؓ کا پورا گھرانا مسلمان ہو
گیا تھا۔ اسلام کے دشمنوں نے انھیں
بڑی تکلیفیں دیں۔ دشمنی میں ابوجہل
سب سے آگے تھا۔ اس ظالم نے
حضرت یاسرؓ کی بیوی کو نیزہ مار کر
شہید کر ڈالا۔ ان نیک اور صبر والے
بندوں کے دُکھ دیکھے نہیں جاتے تھے۔
رسول پاکؐ ان کا حال سُنتے، تو فرماتے
"یاسرؓ کے گھرانے والو! صبر کرو۔ تمھاری

جگہ جنّت میں ہے۔"

ایک اَور مسلمان حضرت خبّابؓ تھے، جو لوہاری کا کام کرتے تھے۔ کچھ لوگوں کے ذمّے ان کی رقمیں تھیں۔ مُسلمان ہونے کے بعد اپنی رقمیں مانگتے، تو جواب مِلتا کہ پہلے اِسلام چھوڑو، پھر جو کچھ لینا ہے، لو۔ ایک بار ظالموں نے کوئلے جلا کر زمین پر بچھائے اَور ان پر حضرت خبابؓ کو چِت لِٹا دیا۔ ایک شخص ان کی چھاتی پر پاؤں رکھے رہا کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں۔ پیٹھ کی جگہ جل گئی۔ اس میں سے جو نمی نِکلی، اس نے کوئلے بجُھا دیے۔ نہ حضرت خبابؓ نے کروٹ بدلی، نہ سچّے دِین کو چھوڑا، نہ ظالموں کو

ان پر رحم آیا۔
ایک مسکین اور بے کس عورت اِسلام لائی۔ ابوجہل نے اسے اس قدر مارا کہ آنکھیں جاتی رہیں۔ حضرت عثمانؓ دولت مند تھے، مسلمان ہوئے، تو ان کے چچا نے رسّی سے باندھ کر مارا اور ایک کوٹھری میں بند رکھا۔ آخر خود ہی ہار مان کر الگ ہو گیا۔
رسول پاکؐ کی پھوپی کے بیٹے حضرت زبیرؓ مسلمان ہوئے، تو ان کے چچا نے کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دُھواں دیا۔ حضرت زبیرؓ نے سب دُکھ سہ لیے اور اسلام نہ چھوڑا۔
حضرت مصعبؓ مکّے کے ایک امیر

گھرانے کے بیٹے تھے۔ ان کی کہانی بڑی عجیب ہے۔ ماں باپ کے اِتنے لاڈلے تھے کہ اچھّی سے اچھّی پوشاک پہن کر باہر نِکلتے۔ خود گھوڑے پر سوار ہوتے، آگے پیچھے غلام چلتے۔ مسلمان ہوئے، تو ماں باپ ان کی صورت سے بیزار ہو گئے۔ گھر بار چھوڑنا پڑا۔ آخر میں یہ حالت ہو گئی تھی کہ ایک دفعہ رسول پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو بدن پر صِرف ایک کمبل تھا، جِسے کانٹوں سے ٹانک لیا تھا۔ رسول پاکؐ نے دیکھتے ہی فرمایا: اب دُنیا کی حالت بدل جانی چاہیے۔ یہ وہ نوجوان ہے، جِس سے زیادہ ناز کا پلا مکّے میں کوئی نہ تھا۔ لیکن

نیکی ، سچائی اَور خُدا رسولؐ کی محبّت
میں یہ سب کچھ چھوڑ چکا ہے"۔
ذرا سوچو کہ ان لوگوں نے کسی کو
کیا نقصان پہنچایا تھا ؟ یہ خُدا کو ایک
مانتے تھے ، اس کا ساجھی کسی کو نہ
بناتے تھے۔ نیکی کے راستے پر چلتے
تھے ا۔ سب کے حق پہچانتے تھے۔ ایسے
لوگوں سے ہر شخص کو نفع اَور آرام
ہی پہنچتا ہے ، دُکھ نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن
دشمنوں کے دِلوں اَور دماغوں پر غفلت
کی سیاہی بھری ہوئی تھی ۔ ان کی
آنکھوں پر نادانی کی پٹّی بندھی ہوئی
تھی ۔ وہ اپنے پیچھے بڑی یادگار چھوڑ
گئے ۔ ان نورانی تاروں کا کچھ نہ بگاڑ
سکے ، جو ایک ہزار چار سو برس سے

جگ مگ جگ مگ کر رہے ہیں اور
جب تک دُنیا باقی ہے، اسی طرح نور
بکھیرتے رہیں گے۔

پہلی ہجرت

ہجرت کے معنے ہیں، چھوڑنا اور جُدا
ہونا۔ رسولؐ پاک جب دُشمنوں کے ہاتھ
سے تنگ آ گئے اور مسلمانوں پر ظُلم
کی حد ہو گئی، تو آپ مکّے کو چھوڑ
کر مدینے چلے گئے۔ اسے "ہجرت" کہتے
ہیں، اسی سے ہمارا سَن ہجری چلا۔

ایک دفعہ رسول پاکؐ نے اس سے
پہلے بھی اپنے ساتھیوں کو حبشہ جانے
کی اجازت دی تھی۔ یہ حبشیوں کا
دیس تھا، جو عیسائی تھے اور عرب

لوگ وہاں جاتے آتے رہتے تھے۔ اس زمانے میں وہاں جو بادشاہ تھا، وہ بڑا رحم دِل تھا۔ اُمید تھی کہ وطن چھوڑ کر جانے والے مسلمان وہاں امن چَین سے رہ سکیں گے۔ تراسی آدمی اَور اٹھارہ عورتیں، کُل ایک سَو ایک مسلمان ایک ایک، دو دو کر کے حبشہ چلے گئے

مکّے کے لوگ سچّے دِین کے دُشمن تھے۔ انھیں کب یہ پسند تھا کہ مُسلمان کہیں جا کر چَین آرام سے بیٹھ جائیں؟ یہ ڈر بھی ہوگا کہ مسلمانوں کے قدم اگر حبشہ میں جم گئے اَور حبشیوں کو ساتھ مِلا لیا، تو پھر مکّے والوں کے لیے وہاں جانا آنا مشکل ہو جائے گا۔

انھوں نے بادشاہ اَور درباریوں کے لیے اچھّے اچھّے تحفے تیار کیے اَور تین آدمی یہ تحفے لے کر حبشہ گئے۔ بادشاہ سے جا کر کہا کہ ہمارے دیس سے کچھ آدمی آپ کے ہاں آ بسے ہیَں۔ یہ بڑے فسادی ہیَں۔ انھوں نے ایک نیا دِین نکالا ہے۔ اگر آپ نے انھیں نہ نکالا، تو حبشیوں کو بے دِین اَور گمراہ کر دیں گے اَور سارے دیس میں گڑ بڑ مچ جائے گی۔ انھیں ہمارے سپرد کر دیجیے۔ ہم اپنے ساتھ لے جائیں گے اَور پھر یہاں نہ آنے دیں گے۔

بادشاہ نے کہا: تمھاری بات سُن لی۔ اب ان لوگوں کی بات بھی

سُن لینی چاہیے، جن کو تم فسادی بتاتے ہو۔ ان سے پُوچھے گچھے بغیر کوئی حُکم دے دینا اچھّا نہیں۔

مُسلمان دربار میں بُلائے گئے۔ حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفرؓ نے مسلمانوں کی طرف سے بات چیت کی۔ بادشاہ نے سوال کیا، تو حضرت جعفر بولے:۔

"اے بادشاہ! ہم کچھ جانتے بُوجھتے نہ تھے۔ بُتوں کو پُوجتے تھے۔ گندے رہتے تھے۔ مُردار کھاتے تھے۔ بُری باتیں بکا کرتے تھے۔ ہم میں سچائی، ایمانداری اور بھلمنساہٹ کا کوئی نشان نہ تھا۔ پڑوسیوں کو ستاتے تھے۔ طاقت والے کمزوروں کو کھا جاتے تھے۔ بھائی، بھائی پر ظُلم

کرتا تھا۔ خُدا نے ہم میں ایک بزرگ شخص پیدا کیا۔ ہم اس کے گھرانے کو جانتے تھے۔ اس کی سچائی، ایمانداری، پاکیزگی اور شرافت سے واقف تھے۔ اس نے ہم کو سِکھایا کہ خُدا ایک ہے۔ بس اسی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا ساتھی نہ بناؤ۔ اس نے ہمیں سمجھایا کہ مُورتیوں کی پُوجا چھوڑ دو۔ سچ بولو۔ جو وعدہ کرو، اسے پُورا کیا کرو۔ خون خرابے سے دُور رہو۔ یتیموں کا مال نہ کھاؤ۔ پڑوسیوں کو آرام دو۔ بُرائیوں سے بچّو۔ اس نے ہمیں حُکم دیا کہ نماز پڑھو۔ روزے رکھو۔ اپنے مال سے غریبوں اور مُصیبت کے ماروں کی

مدد کیا کرو۔

بس! ہمارے لوگ ان باتوں پر ہم سے بگڑ بیٹھے ہیں۔ جہاں تک ہو سکا انھوں نے ہمیں ستایا۔ یہ سب اس لیے ہُوا کہ ہم ایک خُدا کو کیوں پُوجتے ہیں؟ لکڑی اور پتھر کی مُورتیوں کے سامنے کیوں نہیں جُھکتے؟ ہم نے بہت ظُلم سہے۔ بڑی تکلیفیں اٹھائیں۔ جب مجبور ہو گئے، تو تیرے مُلک میں چلے آئے۔"

بادشاہ اور اس کے درباریوں نے سچے رسولؐ کی پاک تعلیم سُنی، تو سب دنگ رہ گئے۔ بھلا کِس میں حوصلہ تھا کہ ان سچّی اور اچھی باتوں کو بُرا بتائے؟ بادشاہ نے کہا: اچّھا

اب مجھے اس کتاب میں سے کچھ سُناؤ، جو اس سچّے رسول پر اُتری۔ حضرت جعفرؓ نے قرآن پاک میں سے سورۂ مریم کا کچھ حِصّہ سُنایا۔ بادشاہ اور درباریوں پر اتنا اثر ہوا کہ سب رونے لگے۔ پھر بادشاہ بولا: "محمدؐ تو وہی نبی ہیں، جن کے آنے کی خوشخبری حضرت عیسٰےؑ نے دی تھی۔ خُدا کا شُکر ہے کہ مَیں نے اس سچّے نبیؐ کا زمانہ پایا۔

دُشمنوں سے کہا کہ جاؤ، چلے جاؤ۔ مَیں ان اچھّے لوگوں کو تمھارے سپرد نہیں کروں گا۔ مسلمانوں سے کہا کہ جہاں جی چاہے، رہو۔ ایک خُدا کی عبادت کرو اور لوگوں کو نیکی کی

باتیں سِکھاؤ۔ بادشاہ خود بھی مُسلمان ہو گیا۔

لالچ اَور ڈر

مکّے میں مسلمانوں پر بڑے ہی ظُلم ہو رہے تھے، لیکن خُدا کے سچّے رسولؐ کی تعلیم آہستہ آہستہ لوگوں کے دلوں میں گھر کر رہی تھی اَور وہ مسلمان ہو رہے تھے۔ جو نیک بخت ایک مرتبہ سچّائی کو پا لیتا، پھر اسے کوئی دُکھ اور کوئی مُصِیبت اُس سے ہٹا نہ سکتی۔ بڑے بڑے سردار بہت حیران تھے کہ کیا کریں۔ آخر وہ سر جوڑ کر بیٹھے۔ سوچ سمجھ کے بعد یہ بات ٹھہرائی کہ اپنے

میں سے ایک سردار کو رسولِ پاکؐ
کے پاس بھیجیں اور لالچ دیں۔ اگر
اس طرح کام نہ نکلے، تو پھر آپؐ
کو ختم کرنے کے لیے جو کچھ ہو سکے،
کریں۔

وہ لوگ ایسی باتوں کے سوا سوچ
بھی کیا سکتے تھے؟ جن لوگوں کے
دِل دُنیا کے دھندوں میں اُلجھے ہوئے
ہوں، وہ یہی سمجھ سکتے ہیں کہ ہر
آدمی کسی نہ کسی فائدے کے لیے
کام کرتا ہے یا یہ کہ اسے ڈرا کر
روکا جا سکتا ہے۔ یہ نہیں سمجھ سکتے
کہ خُدا کے نیک پاک بندے ہر
کام صِرف اس لیے کرتے ہیں کہ
خُدا کی مرضی پُوری ہو۔ انھیں نہ

لالچ خُدا کی مرضی پُورا کرنے سے ہٹا سکتا ہے، نہ ڈر باز رکھ سکتا ہے۔
ایک بڑا سردار رسول پاکؐ کے پاس پہنچا اور بولا :۔

"اے میرے بھتیجے! اگر تو مال چاہتا ہے، تو ہم اپنے آپ اتنی دولت تجھے دیے دیتے ہیں کہ تو بڑا مال دار بن جائے۔ اگر تو عزّت کا بھُوکا ہے، تو ہم تجھے اپنا سردار مانے لیتے ہیں۔ اگر تیرے سر میں حکومت کا سَودا سمایا ہوا ہے، تو ہم تجھے سارے عرب کا بادشاہ بنانے کے لیے تیار ہیں۔ تُو جو چاہے، سو کرنے کو حاضر ہیں۔ مگر یہ طریقہ چھوڑ دے۔"

رسول پاکؐ نے اس کی باتیں سُنیں
اور بڑی نرمی سے فرمایا کہ نہ مجھے
مال درکار ہے ، نہ دولت کی ضرورت
ہے ، نہ سردار بننا چاہتا ہُوں ، نہ
بادشاہ بننے کی خواہش ہے ۔ پھر خدا
کے کلام سے کچھ حصّہ اسے سُنایا ،
جسے سُن کر وہ اپنے آپ میں نہ رہا
اور چُپ چاپ اُٹھ کر چلا گیا ۔
جاتے ہی ساتھیوں سے اس نے کہا :
"مَیں نے محمدؐ کی زبان سے جو کچھ
سُنا ہے ، وہ نہ جادُو ہے ، نہ منتر ۔
میرا کہا مانو اور محمدؐ کو اس کے
حال پر چھوڑ دو " ۔ وہ لوگ سمجھے
کہ اس بوڑھے سردار پر بھی محمدؐ
کا جادُو چل گیا ۔

پھر ان لوگوں نے فیصلہ کیا کہ رسولِ پاکؐ کو دھمکائیں۔ انھیں ڈر صِرف یہ تھا کہ رسولِ پاکؐ کے چچا بِیچ میں نہ آجائیں۔ اس خیال سے وہ آپ کے چچا کے پاس پہنچے اَور بولے: "دیکھیے ہم نے آپ کا بہت لحاظ کیا۔ آپ کا بھتیجا ہمارے دیوتاؤں کی بُرائی کرتا ہے، جِنھیں ہمارے باپ دادا پُشتوں سے پُوجتے چلے آئے ہیں۔ اب ہم سے صبر نہیں ہو سکتا۔ اپنے بھتیجے کو سمجھا دِیجیے یا بِیچ سے ہٹ جائیے۔ ہم خود ان سے نِبٹ لیں گے۔

یہ حالت دیکھ کر چچا بھی پریشان ہو گئے۔ لیکن رسولِ پاکؐ بولے:۔

"چچا جان! اگر یہ لوگ سُورج کو
میرے داہنے ہاتھ پر اور چاند کو
بائیں ہاتھ پر بھی لاکر رکھ دیں،
تب بھی میں اپنے کام سے نہ
ہٹوں گا اور خُدا کے حُکم میں نہ
ایک لفظ بڑھاؤں گا، نہ اس میں
سے ایک لفظ گھٹاؤں گا۔ خواہ اس
کام میں میری جان بھی چلی جائے"۔
چچا نے یہ ہمّت اور یہ دُھن دیکھی
تو بولا: جا، اپنا کام شوق سے جاری
رکھ۔ میرے ہوتے ہوئے کوئی تیرا بال
بھی بیکا نہیں کر سکتا۔

گھاٹی میں بند ہونا

دُشمن سارے جتن کر چکے، مگر ان

کا کوئی مطلب پُورا نہ ہُوا۔ اِسلام پھیلتا رہا۔ تم نے صُبح کے وقت سُورج نکلتا تو دیکھا ہوگا۔ اس کی کرنیں پہلے پہل اُونچے اُونچے مکانوں کی منڈیروں پر چمکتی ہیں، پھر دَم بدم روشنی بڑھتی جاتی ہے۔ کوئی چیز اسے روک نہیں سکتی۔ اسلام بھی سُورج تھا، جو خدا کے حکم سے چمکا۔ اس کا کام ہی یہ تھا کہ روشنی پھیلائے اور اندھیرے کو ہٹائے۔ دشمن جو تدبیریں کر رہے تھے، انھیں کیا فائدہ پہنچا سکتی تھیں؟ لیکن وہ رُکے نہیں۔ ایک تدبیر کام نہ دے سکی، تو دوسری میں لگ گئے۔ وہ نہ چل سکی، تو تیسری شروع کر دی۔

رسول پاکؐ کے کنبے والے بڑے بہادر اور سردار مانے جاتے تھے۔ ان لوگوں کے ہوتے ہوئے، کوئی آپ پر کھُلّم کھُلا ہاتھ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ دشمنوں نے اب یہ سوچا کہ سارے کُنبے سے رِشتے ناتے کرنا چھوڑ دو، انھیں گلی بازار میں بھی نہ پھرنے دو اور کوئی چیز انھیں مول بھی نہ دو۔ اِس طرح پُورے کنبے کو برادری سے خارج کر دیا۔ سب دُشمنوں نے آپس میں قول و قرار کرکے ایک کاغذ لکھا اور اسے خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیا کہ کوئی اس سے پھرے نہیں۔

رسول پاکؐ اور آپ کے تمام عزیز، رشتہ دار گھر بار چھوڑ کر گئے

کی ایک گھاٹی میں جا بیٹھے۔ تین
برس وہیں کاٹے۔ مکے میں اور جو
لوگ مسلمان ہوئے تھے، وہ اپنے
اپنے گھروں میں بند ہوکر بیٹھ گئے۔
کھانے پینے کو جو کچھ پاس تھا، اسی
پر گزارا کیا۔ بازار سے تو کوئی چیز
بھی مول نہیں مل سکتی تھی۔ بچے کبھی
کبھی بھوک کے مارے بلک بلک
کر روتے، تو ان کی آوازیں گھاٹی
کے باہر سنائی دیتیں اور درد مند
آدمیوں کے کلیجوں میں چھید ڈالتیں۔
بے درد دشمن خوش ہوتے اور سمجھتے
کہ اب بازی مار لی۔

حج کے زمانے میں عرب کے لوگ
لڑائی جھگڑے کو گناہ سمجھتے تھے۔ رسولؐ

پاک اس زمانے میں گھاٹی سے باہر نکلتے اور جتنے لوگ حج کے لیے مکّے پہنچتے، پھر پھر کر انھیں خدا کا پیغام سُناتے۔

تین برس گزر گئے، تو بعض نیک دِل لوگوں کو خیال آیا کہ کب تک رسول پاکؐ کے کنبے پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے جائیں گے۔ جو کاغذ لکھ کر خانہ کعبے کے دروازے پر لٹکا دیا گیا تھا، اسے بھی دیمک کھا گئی۔ اس طرح دشمنوں کے قول و قرار ختم ہوئے۔ رسول پاکؐ کے کُنبے کے لوگ گھاٹی سے باہر نکلے اور پھر پہلے کی طرح سچائی کی باتیں قبیلوں اور گروہوں کو سُنانے لگے۔

یہی زمانہ ہے، جب ایک مرتبہ رسول پاکؐ نے اسلام کے سب سے بڑے دُشمن ابوجہل سے کہا: "تیرے لیے وہ وقت نزدیک آ گیا ہے، دُور نہیں رہا کہ تھوڑا ہنسے گا اور بہت روئے گا۔" باقی سب دشمنوں سے بھی فرمایا: "جس دِین کا تم اِنکار کر رہے ہو، وہ گھڑی قریب آ گئی کہ اسی کو قبول کر لو گے۔"

آگے چل کر دیکھو گے کہ خُدا نے اپنے سچّے رسولؐ کی یہ دونوں باتیں پُوری کر دیں۔

طائف کا سفر

رسول پاکؐ نے جب دیکھا کہ مکّے

کے اکثر لوگ ہٹ دھرمی سے کام لے
رہے ہیں، تو آپؐ کو خیال ہُوا کہ
عرب کے ایک دوسرے شہر میں
جائیں، جس کا نام طائف تھا۔ شاید
وہاں کے لوگ اِسلام قبول کر لیں۔

حضرت زیدؓ کو آپؐ نے ساتھ لیا،
جو ایک زمانے میں آپؐ کا غلام تھا،
مگر آپؐ نے اسے آزاد کر دیا تھا
اَور وہ آپؐ کے گھر کا آدمی بن
گیا تھا۔ طائف میں تین سردار تھے
اَور تینوں سگے بھائی تھے۔ رسول پاکؐ
تینوں سے ملے، لیکن ان بدنصیبوں
نے خدا کی اس رحمت کی قدر نہ کی۔

پھر آپؐ دس دِن شہر میں پھر
پھر کر اِسلام کی باتیں سُناتے رہے۔

پھر سرداروں نے بازاری آدمیوں، اوباشوں اَور لونڈوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا۔ وہ آپؐ پر پتّھر برسانے لگے۔ آپؐ پتّھر کھا کھا کر گِر جاتے، تو بے درد بازو سے پکڑ کر اٹھاتے۔ چلتے، تو پھر پتھروں کی بارش شروع ہو جاتی۔ آپؐ کی پیشانی کا لہو بہہ بہہ کر پاؤں تک پہنچا اَور جُوتے پاؤں سے چپک گئے۔

طائف سے دُور آکر ایک باغ میں آپؐ کو سستانے کا موقع مِلا۔ پھر وضو کرکے نماز پڑھی اَور یہ دُعا مانگی :۔

"اے میرے اللہ! مَیں اپنی کمزوری، بے بسی اَور لوگوں میں بےقدری کی

تجھی سے فریاد کرتا ہُوں ۔ اے تمام
رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم
کرنے والے خُدا ، تو ہی کمزوروں
اَور بے بسوں کا مالک ہے . میرا بھی
تُو ہی مالک ہے ..... اگر تُو
مُجھ سے ناخوش نہیں ، تو مجھے
تکلیفوں کی کچھ پروا نہیں اَور
تیری رحمت میں جو آرام مجھے مِلتا
ہے ، وہ بہت وسیع ہے ۔ مَیں تیرے
اس نُور کی پناہ میں آتا ہُوں ، جس
کے آگے سارے اندھیرے مِٹ
جاتے ہیں اَور دین و دُنیا کے سب
کام سنور جاتے ہیں ...... مجھے
تیری رضامندی اَور خوشنودی چاہیے .
نیکی کرنے اَور بدی سے بچنے کی

ہر قوت تو ہی عطا کرتا ہے۔"

ذرا سوچو۔ خدا کا پیغام سنانے کے لیے آپؐ طائف گئے۔ اس پیغام کو قبول کر لینے میں لوگوں ہی کا بھلا تھا۔ رسول پاکؐ نے نہ کسی سے کچھ مانگا، نہ کسی پر کوئی احسان جتایا۔ ان بدنصیبوں نے جواب میں پتھر برسائے۔ آپؐ کے جسم کو لہو لہان کر دیا۔ لیکن صبر کا یہ حال ہے کہ سب کچھ سہ لیا اور خدا کی بارگاہ میں عرض کیا، تو یہ کہ تو اگر راضی ہے، تو تکلیفوں کی کچھ پروا نہیں۔ تیری رضامندی اور خوشنودی کے سوا مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ دیکھی نبیؐ کی شان! دنیا

بھر کے دُکھ، زمانے بھر کی مصیبتیں
صبر کو ہِلا نہ سکیں۔ خُدا کی رضا
سے پہلے جو پیار تھا، وہ ویسے
کا ویسا ہی رہا۔ خُدا کے پاک
بندوں کو سچائی کی راہ میں کانٹوں
پر سے بھی گزرنا پڑے، تو انھیں
پھُول سمجھتے ہَیں اَور ان کے ماتھے
پر ذرا سا بھی بَل نہیں پڑتا۔
کئی برس بعد ایک جنگ میں مسلمانوں
کو بڑا نقصان پہنچا۔ خود رسول پاکؐ
بھی زخمی ہو گئے۔ پُوچھا گیا کہ آیا
آپؐ پر اس سے زیادہ سخت وقت
بھی کبھی گُزرا ہَے؟ آپؐ نے طائف
کی مصیبتوں کا ذِکر کرتے ہوئے فرمایا:
میرے پاس پہاڑوں کا فرشتہ آیا

اَور بولا: کہیے تو دونوں پہلوؤں کے
پہاڑ ان لوگوں پر اُلٹا دُوں اَور
انھیں پیس کر رکھ دُوں۔ مَیں نے
کہا: نہیں، نہیں، اُمید ہے خُدا
انھیں لوگوں کی نُشت سے اَیسے آدمی
پَیدا کرے گا، جو ایک خُدا کی عبادت
کریں گے۔

اللہ اکبر! یہ تھی خُدا کے بندوں
پر مہربانی اور ان سے ہمدردی۔ یہ
تھا رحم، جس کے سبب سے آپؐ کی
ذات جہانوں کے لیے رحمت بنی۔
دُنیا بھر کی تاریخ میں صبر اَور
ہمّت یا مصیبتوں کی بارش میں ثابت
قدمی کے جتنے واقعات لکھے ہوے
ہیں، ان سب پر ایک نظر ڈال

لو اور بتاؤ کہ ایک واقعہ بھی ایسا ملتا ہے ؟ رسول پاکؐ کے عمل کا ہر نمونہ دُنیا کے لیے روشنی ہے۔ سُورج سے زیادہ چمکیلی روشنی۔ طائف میں آپؐ نے خُدا کا پیغام پہنچاتے ہُوئے صبر کا جو نمونہ پیش کیا، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ خُدا کی راہ میں آج تک کسی انسان کا قدم اس اُونچائی پر نہ پہنچ سکا۔

مدینے والوں کی خوش نصیبی

اسلام خُدا کا دِین تھا، وہ دُنیا بھر کے لیے تھا۔ صِرف مکّے اور طائف والوں کے لیے نہ تھا۔ مکّے والوں کو رسول پاکؐ نے دس گیارہ

برس تک نیکی کی باتیں سِکھائیں۔
ان میں سے تھوڑے آدمیوں کے سِوا
کسی نے نصیحت نہ پکڑی۔ طائف
والے بھی اس نعمت کو قبول نہ
کر سکے۔ عرب کی ایک اور بڑی بستی
تھی، جِس کا نام یثرب تھا۔ رسول
پاکؐ کی برکت سے اس کا نام مدینہ
پڑا۔ خدُا کی رحمت سے اس بستی
والوں کے دِل اِسلام کے لیے کھُل
گئے۔

مدینے کے کچھ آدمی حج کے لیے
مکّے آئے۔ رسول پاکؐ نے انھیں
خدا کا کلام سُنایا۔ وہ اسی وقت
آپ پر ایمان لے آئے۔ واپس گئے،
تو مدینے میں گھر گھر اسلام کا چرچا

ہو گیا۔

اگلے سال بارہ آدمی مدینے سے آئے اور ایمان کی دولت حاصل کی۔ جاتے وقت انھوں نے جن باتوں کا عہد کیا، یہ تھیں:۔

۱۔ ہم صرف خدا کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا ساجھی نہ بنائیں گے۔

۲۔ چوری چکاری اور بدکاری سے بچے رہیں گے۔

۳۔ لڑکیوں کو قتل نہیں کریں گے۔

۴۔ کسی پر تہمت نہیں لگائیں گے اور نہ کسی کی چغلی کھائیں گے۔

۵۔ ہر اچھی بات میں رسول پاکؐ کے فرمانبردار رہیں گے۔

رسول پاکؐ نے اسلام سکھانے کے
لیے حضرت مصعبؓ کو بھی ان کے
ساتھ کر دیا۔ حضرت مصعبؓ جس سے
ملتے، اسے قرآن سُناتے۔ وہ سُنتے ہی
کہتا کہ مَیں مسلمان ہوتا ہُوں۔ اس
طرح تھوڑے ہی دنوں میں مدینے کے
بڑے قبیلوں نے اسلام قبول کر لیا۔
ان لوگوں کو معلوم تھا کہ مکّے
والے اس سچّے دین کے دشمن ہیں۔
وہاں رسول پاکؐ اَور مسلمانوں پر سخت
ظلم ہوتے ہیں۔ اس لیے سب نے
فیصلہ کیا کہ رسول پاک کو مدینے لے
آئیں۔ تیسرے سال ایک بڑا قافلہ مکّے
گیا، جس میں تہتّر مرد تھے اَور دو
عورتیں؛

رسول پاکؐ سے ملاقات ہوئی، تو مدینے والوں نے عرض کیا کہ آپؐ ہمارے شہر میں چل بسیں تاکہ ہم پورا فیض حاصل کر سکیں۔ رسول پاکؐ کے چچا حضرت عباسؓ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، مگر آپؐ کے ساتھ تھے۔ وہ بولے: مکّے کے لوگ محمد کے جانی دشمن ہیں۔ ان کے ساتھ کوئی عہد کرنا چاہتے ہو، تو اچھّی طرح سوچ سمجھ لو۔ یہ سارے عرب کی دشمنی مول لینا ہے۔

مدینے والوں نے اس بات کا کچھ جواب نہ دیا اور رسول پاکؐ سے عرض کیا کہ آپ کچھ فرمائیں۔ رسول پاکؐ نے پہلے قرآن پڑھ کر سُنایا،

پھر پُوچھا:

۱- کیا تم لوگ اسلام کے پھیلانے میں میری مدد کرو گے؟

۲- کیا تم مدینے میں میری اور میرے ساتھیوں کی حفاظت اسی طرح کرو گے، جس طرح اپنے بال بچّوں کی حِفاظت کرتے ہو؟

وہ بولے: "ہمیں اس کا بدلہ کیا ملے گا؟" رسول پاکؐ نے فرمایا: "خُدا کی خوشنودی اور بہشت" مدینے والے پھر بولے: "حضور! یہ تو بتا دیں کہ آپ ہمیں کبھی چھوڑ تو نہ دیں گے"؟ آپؐ نے فرمایا: "نہیں، میرا جینا اور مرنا تمھارے ساتھ ہوگا۔"

اس طرح مدینے کے دروازے

مسلمانوں پر کھُل گئے ۔ انھیں آرام سے
بیٹھنے کی ایک اچھّی جگہ مل گئی، جہاں
اسلام کی تعلیم پر عمل کر کے دکھایا
جا سکتا تھا کہ یہ دُنیا کے لیے کتنی
بڑی رحمت ہے ۔ مکّے کے بڑے بڑے
سرداروں نے جس نعمت کو ٹھکرایا
تھا ، اسے مدینے والوں نے اپنے
سر آنکھوں پر رکھا ۔ رسول پاک نے
خود بھی مدینے جانے کا فیصلہ کر لیا ۔
ساتھیوں کو بھی وہیں جانے کے لیے
اجازت دے دی ۔ اس طرح مدینے
کی قسمت جاگی ۔ اس کا نام اس طرح
چمکا کہ مکّے کے سوا دنیا کا کوئی
شہر اس سے آگے نہ رہا ۔ اس
نے وہ رتبہ پایا کہ اس کی خاک

چودہ سو برس سے خدا کے نیک بندوں کی آنکھوں کا سُرمہ بنی ہوئی ہے اور قیامت تک سُرمہ بنی رہے گی ۔

ہجرت

مدینے میں مسلمانوں کے لیے امن چین سے رہنے کی جگہ بن گئی، تو وہ ایک ایک ، دو دو کرکے وہاں جانے لگے ۔ گھر بار چھوڑنا ، اپنوں سے مُنہ موڑنا اور غیروں میں جا بسنا کسی کو بھی اچھّا نہ لگتا ۔ لیکن جن بندوں کو خُدا کی مرضی دُنیا کی ہر چیز سے زیادہ پیاری ہوتی ہے ، وہ عزیزوں، رشتہ داروں ، مکانوں اور جائدادوں کی

کبھی پروا نہیں کرتے۔ ہمیشہ یہ دیکھتے ہیں کہ خدا کس بات میں راضی ہے۔ مسلمان اپنوں کو کیا کرتے، جو انھیں نیکی کی باتوں سے روکتے تھے اور چاہتے تھے کہ وہ بُرائیوں میں پھنسے رہیں؟

اِسلام کی برادری خون اور نسل اور رنگ کی برادری نہیں، صِرف نیک بندوں اور ایک دوسرے کا حق پہچاننے والے آدمیوں کی برادری ہے، یہ برادری مکّے میں نہیں بن سکتی تھی، جہاں قدم قدم پر نیک آدمیوں کو ستایا جاتا تھا اور طرح طرح کے دُکھ دِیے جاتے تھے۔ مدینے ہی میں بن سکتی تھی، جہاں نیکوں کی قدر

تھی، جہاں اچھائیوں کو عزّت سے دیکھا
جاتا تھا، اس لیے سب نے مدینے
ہی کا رُخ کر لیا۔

مکّے کے بڑے بڑے سرداروں کو
اسلام سے دشمنی تھی۔ مسلمان اپنے گھر
بار چھوڑ کر دُور پرائے شہر میں جا
رہے تھے۔ پھر انھیں روکنا اَور ستانا
کب مناسب تھا؟ لیکن سرداروں کے
دل میں دشمنی کی ایسی آگ بھڑک
رہی تھی کہ اس وقت بھی مسلمانوں
کو برابر ستاتے اَور دُکھ دیتے رہے،
جبکہ وہ مکّے سے جا رہے تھے۔
ایک مسلمان کے پاس جو کچھ تھا
چھین لیا، ایک مسلمان بیوی بچّے کو
لے کر نکلا، تو پہلے اس کے بھائی

بند آئے اور بچّے کو چھین کر لے گئے۔ پھر اس کی بیوی کے عزیز آئے اور کہا کہ تم جا سکتے ہو مگر ہماری لڑکی کو نہیں لے جا سکتے۔ شوہر کہیں، بیوی کہیں، بچّہ کہیں۔ لیکن اسلام کی محبّت ایسی نہ تھی کہ کسی مسلمان کو خُدا کی مرضی پر چلنے سے روک سکتی ؛

سرداروں نے جب دیکھا کہ رسول پاکؐ کے بہت کم ساتھی مکّے میں رہ گئے، تو فیصلہ کیا کہ 'پناہ بخدا' آپؐ کو ختم کر دیں۔ سب کُنبوں سے ایک ایک، دو دو آدمی لے کر ایک جتھا بنایا اور رسول پاکؐ کے مکان کو گھیر لیا۔ تجویز یہ تھی کہ آپؐ صُبح

کے وقت نماز پڑھنے کے لیے باہر
نکلیں، تو سب ایک دم تلواریں چلا
دیں تاکہ رسول پاکؐ کے کُنبے والے
کسی ایک پر خُون کا دعویٰ نہ کرسکیں۔
لیکن جس برکتوں بھری ذات کی
حفاظت کا وعدہ خود خُدا نے کر
رکھا تھا، اُسے کوئی دشمن کیا نقصان
پہنچا سکتا ہے؟ رسول پاکؐ نے اپنے جاں
نثار چچیرے بھائی حضرت علیؓ کو اپنے
بستر پر سُلایا اور خود شام ہی کے
وقت گھر سے نکل گئے۔ اپنے ایک
اَور جاں نثار ساتھی حضرت ابُوبکرؓ
کو ساتھ لیا اور شہر سے تھوڑی دُور
باہر ایک پہاڑی غار میں جا چھپے۔
مکّے کے لوگ اگرچہ آپؐ کے دشمن

بنے ہوئے تھے، مگر اپنی امانتیں آپؐ
ہی کے پاس رکھتے تھے۔ آپؐ نے
گھر چھوڑنے سے پہلے ساری امانتیں
حضرت علیؓ کو دے کر کہا کہ انھیں
مالکوں کو لوٹا کر مدینے چلے آنا۔
دیانت داری کے اس پاک نمونے
پر غور کرو کہ جو لوگ نادانی کے
سبب اسلام کے اور آپؐ کے
دُشمن بنے ہوئے تھے، انھیں دشمنی
کی حالت میں بھی آپؐ سے زیادہ
کسی پر بھروسا نہ تھا۔ آپؐ کی
یہ شان کہ اگرچہ جان کے لالے
پڑے ہوئے تھے، مگر ایسے سخت
دشمنوں کی بھی ایک ایک چیز
انھیں لوٹا دی۔ یہ اِسلام تھا جو

رسول پاکؐ نے دنیا کے سامنے پیش
کیا۔ یہ اسلام تھا، جس نے تلواروں
کی چھاؤں میں بھی سچائی پر پہاڑ
کی طرح جمے رہنے کی تعلیم دی۔ یہ اسلام
تھا، جس کے آگے پورب پچھّم کے
لوگوں کی گردنیں ادب سے جُھکیں
حالانکہ اس وقت اسلام پر چلنے
والے صِرف چند لاکھ آدمی تھے۔

حضرت ابوبکرؓ سب سے پہلے
خود غار میں گئے۔ اسے خوب صاف
کیا۔ جہاں جہاں سُوراخ تھے، انھیں
اپنے جسم کے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر
بند کیا۔ پھر رسول پاکؐ اندر گئے
اُور حضرت ابوبکرؓ کے زانو پر سَر
رکھ کر سو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ کے

کان باہر کی آہٹ پر لگے ہُوئے تھے
آنکھیں غار کے اندر کی ایک ایک
چیز پر تھیں ۔ اتفاق سے ایک سُوراخ
بند نہیں ہُوا تھا ، اس میں سے
سانپ نے سَر نکالا ۔ جاں نثار ابوبکرؓ
نے آہستہ آہستہ ایک ٹانگ پھیلائی
اَور ایڑی سُوراخ پر رکھ دی ۔ سانپ
نے کاٹا ، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اُف
تک نہ کی کہ کہیں رسول پاکؐ کے
آرام میں خلل نہ آئے ۔ زہر چڑھنے
لگا ۔ درد اتنا بڑھا کہ آنکھوں سے
آنسو بہنے لگے ۔ ایک آنسو رسول پاکؐ
کے مبارک چہرے پر گرا ۔ آپ جاگے
اَور پُوچھا : ابوبکرؓ کیا ہُوا ؟ عرض کیا :
میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ، سانپ

نے کاٹا۔ آپؐ نے لعابِ دہن زخم کی جگہ لگا دیا۔ زہر اُتر گیا۔ درد بھی جاتا رہا۔

تیسرے دن غار سے نکل کر آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ مدینے روانہ ہوئے۔ سات آٹھ دِن میں وہاں پہنچے۔

حضرت علیؓ نے رات رسول پاکؐ کے بستر پر گزاری۔ اگرچہ گھر کے اِرد گِرد تلواریں چمک رہی تھیں، مگر شیرِ خداؓ کو کوئی فکر نہ تھا۔ صبح اُٹھے تمام لوگوں کی امانتیں لوٹائیں۔ پھر مدینے کی راہ لی۔

بھائی چارا اور صُلح و امن

مدینے میں اب مسلمانوں کے دو

گروہ جمع ہو گئے: ایک وہ جو پہلے سے مدینے میں رہتے تھے، دوسرے وہ جو باہر سے آئے تھے۔ باہر سے آنے والے "ہجرت" کرکے آئے تھے۔ انھوں نے اپنے گھر بار چھوڑے تھے۔ اس لیے ان کا نام "مہاجر" پڑ گیا۔ مدینے کے لوگ ان کے مددگار بنے تھے، اس لیے ان کا نام "انصار" مشہور ہوا۔ "انصار" کے معنے ہیں مدد کرنے والے لوگ۔

رسول پاکؐ مدینے پہنچے، تو سب سے پہلا کام یہ تھا کہ مہاجروں کے لیے رہنے سہنے اور کھانے پینے کی کوئی صورت بن جائے۔ وہ مکّے میں اگرچہ کئی برس تک طرح طرح کی مُصیبتیں سہتے رہے تھے، لیکن اپنے گھروں میں

تھے اور کھانے پینے کی طرف سے
بے فکر تھے۔ مدینے پہنچے، تو جو کچھ
ان کے پاس تھا، سب پیچھے رہ گیا
تھا۔ نہ رہنے کو مکان، نہ گزارے کی
کوئی شکل۔

رسولِ پاکؐ نے ایک ایک مہاجر
کا بھائی چارا، ایک ایک انصاری سے
کرا دیا۔ انصار نے جس دلی تڑپ کے
ساتھ اپنے مہاجر بھائیوں کی خدمت
کی، اس کی مثال شاید ہی کہیں مل
سکے۔ ہر شخص نے اپنی پوری جائداد
کے دو حصے کیے۔ ایک حصہ اپنے مہاجر
بھائی کو دے دیا، ایک حصہ اپنے پاس
رکھا۔

مہاجروں کی ہمت دیکھو کہ صرف

اس وقت تک کے لیے مہمان بننا قبول کیا، جب تک خود کمانے کے قابل نہ ہوئے۔ یہ بھی اسلامی تعلیم کا ایک ایسا پاکیزہ نمونہ تھا، جو ہر وقت، ہر مسلمان کے سامنے رہنا چاہیے۔ دیکھو اس سے بھی کتنے قیمتی سبق ملتے ہیں:

۱۔ سب مسلمان آپس میں حقیقی بھائیوں کی طرح ہیں، اگرچہ ان میں خون کا کوئی رشتہ ہو یا نہ ہو۔

۲۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے آرام کا اتنا ہی خیال رکھے، جتنا اپنے آرام کا خیال رکھتا ہے۔

۳۔ کسی مسلمان بھائی کے لیے مناسب نہیں کہ اپنے کسی بھائی پر ضرورت

سے زیادہ بوجھ ڈالے۔

۴۔ کسی مسلمان کے لیے مناسب نہیں کہ اپنے ہاتھ پاؤں توڑ کر اپنے بھائی کی روٹیوں پر پڑا رہے۔ اسے ہمّت اور محنت سے کام لے کر اپنی روزی خود کمانی چاہیے۔

مدینے میں یہودیوں کے بھی تین قبیلے رہتے تھے۔ رسول پاک ؐ نے ان کے ساتھ بھی بات چیت کرکے ایک عہد نامہ کر لیا، جس میں خاص طور پر یاد رکھنے کی باتیں یہ تھیں:۔

۱۔ یہودی اپنے دِین پر رہیں گے، مسلمان اپنے دِین پر رہیں گے۔ دونوں ایک قوم سمجھے جائیں گے (۱) دونوں ایک دوسرے کی خیر خواہی

کریں گے۔

۲- یہودیوں پر کوئی دشمن حملہ کرے گا، تو مسلمان مدد دیں گے۔ مسلمانوں پر حملہ ہوگا، تو یہودی مدد دیں گے۔

۳- مدینے پر کوئی دشمن چڑھ آئے گا، تو مسلمان اور یہودی مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔

۴- مسلمانوں اور یہودیوں میں جھگڑا ہوگا، تو اس کا فیصلہ رسول پاک کریں گے۔

خوب سمجھ لو کہ رسول پاکؐ نہ مکّے میں کسی سے لڑنا چاہتے تھے، نہ مدینے میں۔ خُدا کا پاک دِین تلوار چلانے کے لیے نہیں، صُلح اور امن پیدا کرنے کے لیے آیا تھا۔ رسول پاک یہی چاہتے

تھے کہ لوگوں کو سمجھا بُجھا کر اسلام پر لائیں اور دُنیا کو دکھائیں کہ اس دین میں بندوں کے لیے کتنی رحمتیں اور برکتیں ہیں۔

مدینے پہنچتے ہی مسلمانوں میں بھائی چارا کرایا۔ یہودیوں کے ساتھ ایک ایسا عہد نامہ کر لیا، جس میں ان کے تمام حق محفوظ تھے۔

اِدھر سے فارغ ہوئے، تو مدینے کے آس پاس جو قبیلے رہتے تھے، ان میں آدمی بھیجے اور سب کے ساتھ صُلح کے عہد نامے کر لیے۔ ہر قبیلے کو یقین دلایا جاتا کہ ان پر حملہ ہوگا، تو مُسلمان مدد دیں گے، مسلمانوں کو مدد کی ضرورت پڑے گی، تو وہ لوگ اس کے لیے

تیار ہوں گے۔ اس طرح ان قبیلوں کی آپس کی لڑائیاں بھی بند ہو گئیں اور سب امن و چین سے رہنے لگے۔

مدینے میں رسول پاکؐ نے ایک مسجد بنوائی۔ کچّی اینٹوں کی دیواریں، کھجور کی شاخوں اور پتّوں کی چھت۔ کھجور کے تنے اس چھت کو سنبھالے کھڑے۔ یہ مسجد بن رہی تھی، تو آپؐ خود عام مسلمانوں کے ساتھ اِینٹیں اور گارا اٹھا کر لاتے تھے۔

مسجد کے ساتھ ہی رسول پاکؐ نے اپنے رہنے کے لیے دو تین حُجرے بنوائے۔ چھ چھ، سات سات ہاتھ چَوڑے، آٹھ نو نو ہاتھ لمبے، مٹّی کی دیواریں، کھجُور کی چھت، اُونچے اتنے

کہ آدمی ہاتھ اُوپر اُٹھائے، تو چھت کو جا لگے۔ اکہری کوٹھڑیاں۔ نہ برآمدہ نہ صحن۔ ایک ایک پٹ کے کواڑ۔ یہ حُجرے تھے، جن میں ہمارے پیارے رسولؐ نے دِن گُزارے اور یہی کچّی اینٹوں کی مسجد تھی، جس میں نماز پڑھنے والوں کے ہاتھوں خُدا کے نام کا ڈنکا دُنیا بھر میں بجا۔

دُشمنوں کی بے لگامی

مسلمان مکّے سے آگئے تھے۔ اپنی جائدادیں بھی چھوڑ آئے تھے۔ مدینے پہنچنے کے بعد ان کی کوشش صِرف یہ تھی کہ جہاں تک ان کی پہنچ ہو، سب لوگوں کو مِل جُل کر رہنے کے

ڈھنگ سکھا دیں۔ سب کو صُلح اور امن کے عہد ناموں میں جکڑ دیں۔ لیکن مکّے والوں کو چین نہیں آتا تھا۔ وہ مسلمانوں کے خلاف جوڑ توڑ میں لگے ہوئے تھے۔ کبھی مدینے کے یہودیوں کو اُکساتے کہ دیکھو، اگر مسلمانوں کے پاؤں جم گئے، تو تمھاری خیر نہیں۔ کبھی خود چھاپے مارتے۔

پھر انھوں نے حملہ کرکے مسلمانوں کو مٹا دینے کی تیاریاں شروع کر دیں، مجبور ہوکر مسلمانوں کو ہتھیار سنبھالنے پڑے، رسول پاکؐ کو مدینے آئے ہوئے دوسرا سال تھا کہ بدر کے مقام پر مکّے والوں اور مسلمانوں میں پہلی لڑائی ہوئی۔ تین سو تیرہ مسلمانوں نے ایک

ہزار دشمنوں کو شکست دی ۔ مکّے کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ ان میں ابوجہل بھی تھا، جو اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا۔

دوسری لڑائی اس سے اگلے سال مدینے کے پاس ایک پہاڑ کے دامن میں ہوئی ۔ اس میں مکّے والوں کی فوج تین چار ہزار سے کم نہ تھی ۔ مسلمان صِرف سات سَو تھے ۔ مگر وہ اس شان سے لڑے کہ مکّے والے وہیں سے پلٹ گئے ۔ انھیں شہر پر بڑھنے کی ہمّت نہ پڑی۔

تیسری مرتبہ مکّے والے چوبیس ہزار فوج لے کر مدینے پر چڑھ آئے تھے عرب میں اتنا بڑا لشکر پہلے کبھی

جمع نہیں ہوُا تھا۔ مسلمانوں نے مدینے میں بیٹھ کر مقابلہ کیا۔ شہر کے تین طرف کھجور کے گھنے باغ تھے، جن میں سے گزُر کر دشمن کے لیے حملہ کرنا مشکل تھا۔ چوتھی طرف خالی تھی۔ اِدھر خندق کھود لی۔ خندق کھودتے وقت رسول پاکؐ بھی مسلمانوں کے ساتھ تھے۔ کھُدائی بھی کرتے تھے اَور یہ دُعا بھی کر رہے تھے :-

"اے خُدا! اگر تیری مہربانی نہ ہوتی،
تو ہم کبھی سِیدھی راہ نہ پاتے۔ نہ
نماز پڑھتے نہ صدقہ خیرات دیتے۔
اے خُدا! ہمارے دِلوں، کو اپنی
رحمت سے اطمینان عطا کر۔ جب دشمنوں
سے مقابلہ ہو، تو ہمیں ثابت قدم

رکھ۔ دشمن ہم پر زیادتی کر رہے ہیں۔
ہمیں تکلیفیں دے کر اسلام سے پھیر
لینا چاہتے ہیں۔ ہم اسلام ہی پر جمے
رہنا چاہتے ہیں"۔

اس لڑائی میں بھی دشمن نامراد واپس
ہوئے۔ یہ ان کی آخری بڑی کوشش
تھی۔ پھر وہ کبھی اتنی فوج جمع نہ کر
سکے۔

دیکھو، مسلمان اگرچہ کمزور تھے، مگر
کامیاب ہوئے۔ دشمن اگرچہ بہت
طاقت والے تھے، مگر مسلمانوں کا کچھ
نہ بگاڑ سکے۔ سوچو ایسا کیوں ہوا؟
اس لیے ہوا کہ:۔

۱۔ مسلمان حق پر تھے، دشمن حق پر
نہیں تھے۔

۲۔ مسلمانوں کا بھروسا خُدا پر تھا، دُشمنوں کا بھروسا آدمیوں اور سامان کی زیادتی پر تھا۔

۳۔ مُسلمان اس لیے لڑے تھے کہ نیکی کی راہ سے انھیں ہٹایا جا رہا تھا۔ ایک خُدا کی عبادت سے روکا جا رہا تھا۔ دُشمن اس لیے لڑے تھے کہ نیکی ہٹ جائے۔ مورتی پُوجا کو کوئی بُرا نہ کہے۔ بُرائیاں پھیلی رہیں۔

۴۔ مسلمان اس لیے لڑے تھے کہ دِین کے بارے میں کسی کو زبردستی کرنے کا کوئی حق نہیں۔ دشمن اس لیے لڑے تھے کہ بُرائیوں کی جس پوٹ کو وہ دِین کہتے تھے، سب اسی پوٹ کو سَر پر اٹھائے پھریں۔

کامیابی ہمیشہ ان کو ہوتی ہے، جو حق پر ہوں، جن کا بھروسا خدا پر ہو، جو سچائی اور نیکی کا جھنڈا اٹھا کر کھڑے ہوں، جن کی نیت نیک ہو، کام نیک ہو، غرض نیک ہو۔

سچائی کی فتح

خندق کی لڑائی میں مکّے والوں کا زور ٹوٹ چکا تھا، رسول پاکؐ نے اب خانہ کعبہ کی زیارت کا ارادہ کیا۔ یاد رہے کہ خانہ کعبہ کی زیارت کی سب کو اجازت تھی۔ دشمن کو بھی اس سے روکا نہیں جاتا تھا۔ پھر رسول پاکؐ ایسے وقت میں مدینے سے چلے تھے کہ حج کے مہینے شروع

ہو چکے تھے اور ان مہینوں میں کسی
سے لڑنا بہت بڑا گناہ سمجھا جاتا تھا۔
چودہ سو مسلمان رسول پاکؐ کے ساتھ
تھے۔

رسول پاکؐ لڑنا نہیں چاہتے تھے۔
اس لیے مکّے سے باہر ٹھہر گئے اور
اپنے آدمی مکّے والوں کے پاس بھیجے
کہ ہم صرف زیارت کے لیے آئے ہیں۔
بڑی بحثوں کے بعد فیصلہ ہوا کہ مسلمان
اس سال پلٹ جائیں۔ اگلے سال
آئیں اور زیارت کر لیں۔ مکّے والوں
نے دس برس کے لیے صلح کر لی۔
اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ
مسلمانوں کے دوست قبیلے اور مکّے والوں
کے دوست قبیلے بھی صلح میں شامل

ہوں گے۔

لڑائیوں کی طرف سے ذرا اطمینان ہوا، تو رسول پاکؐ نے وقت کے بادشاہوں اور حاکموں کے نام خط بھیجے اور انھیں اسلام کی طرف بلایا۔ اس طرح خدا کے پیغام کو دنیا بھر میں پھیلانے کی تدبیر کی تھی۔

اچانک یہ خبر ملی کہ مکّے والوں کے ایک دوست قبیلے نے مسلمانوں کے ایک دوست قبیلے پر حملہ کیا اور انھیں بہت نقصان پہنچایا۔ مکّے والے اپنے دوست قبیلے کو شہ دیتے رہے۔ مصیبت کے ماروں نے جب خانہ کعبہ میں پناہ لینی چاہی، تو وہاں بھی انھیں امن نہ ملا۔

رسول پاکؐ نے مکّے والوں سے کہا کہ یا تو اپنے دوست قبیلے سے کہو کہ وہ ہمارے دوست قبیلے کا نقصان پُورا کر دیں، اگر یہ نہیں کر سکتے، تو اپنے دوست قبیلے کی مدد نہ کریں۔ دونوں باتیں نہیں کر سکتے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عہد نامہ ٹُوٹ گیا۔

مکّے والوں نے کوئی بات بھی نہ مانی۔ رسول پاکؐ نے دس ہزار جاں نثار ساتھ لیے اَور اپنے دوست قبیلے کی مدد کے لیے نکلے پڑے، جس پر بہت ظُلم ہو چکے تھے۔ یہ دیکھ کر مکّے والوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ اِسلام کے بڑے بڑے دُشمن اب

رسول پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان ہو گئے۔

دوسرے دِن صُبح کے وقت مسلمان شہر میں داخل ہوئے، تو رسول پاکؐ نے اعلان فرما دیا:۔

۱۔ جو آدمی گھر کے اندر بیٹھا رہے، اسے کچھ نہ کہا جائے۔
۲۔ جو آدمی خانہ کعبہ میں چلا جائے، اسے کچھ نہ کہا جائے۔
۳۔ جو آدمی بھاگ جائیں، ان کا پیچھا نہ کیا جائے۔
۴۔ جو آدمی مکّے کے سردار ابوسفیان کے گھر میں بیٹھ جائیں، وہ امان میں ہوں گے۔

صِرف ان لوگوں سے لڑائی کی اجازت

دی، جو ہتھیار لے کر مقابلہ کریں۔ خدا کا پاک رسولؐ سانڈنی پر سوار ہوکر شہر میں داخل ہوا، تو سَر جُھکا ہوا تھا۔ قرآن پڑھا جا رہا تھا۔ جاتے ہی خانہ کعبہ کو بُتوں سے پاک کیا۔ پھر مکّے والوں کو جمع کرکے فرمایا:۔

"ایک خُدا کے سوا کوئی عِبادت کے لائق نہیں۔ اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پُورا کیا۔ اپنے بندے کی مدد کی۔ دُشمنوں کے سارے منصوبے توڑ کر رکھ دیے۔

مکّے والو! سُن لو، فخر کی تمام باتیں، مال اَور خون کے سارے دعوے، میرے قدموں کے نیچے ہَیں۔ مکّے کے سردارو! خُدا نے جاہلیّت کا

غرور اور نسب کا گھمنڈ مٹا دیا۔ سارے
لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی
سے بنے تھے۔"

اس طرح ان کے سارے جھگڑے ختم
کر دیے اور سب کو بتا دیا کہ خاندان،
نسب، رنگ، خون کی بڑائی کے دعوے
فضول ہیں۔ سب اِنسان ایک باپ کی
اولاد ہیں، اس لیے سب برابر ہیں۔
غریب امیر کی کوئی تمیز نہیں۔ کالے
گورے کی کوئی تمیز نہیں۔ خدا کے نزدیک
بڑا وہ ہے، جس کے کام اچھّے ہوں۔

پھر مکّے والوں سے پُوچھا: جانتے ہو،
مَیں آج تم سے کیا برتاؤ کرنے والا ہُوں؟
وہ ڈرے اور سہمے ہوئے تھے۔ بولے:
"آپ بڑے کریم ہیں اور کریم باپ کے

بیٹے ہیں۔" آپؐ نے فرمایا: جاؤ، تم پر
کوئی الزام نہیں۔ تُم سب آزاد ہو۔"
یہ خُدا کے پاک رسولؐ کی شان تھی
کہ جو لوگ اکیس برس سے جان کے لاگو
بنے ہوئے تھے، جن کی تلواروں، برچھیوں
اَور نیزوں کے نِشان مسلمانوں کے جِسموں
پر ہمیشہ کے لیے یادگار بنے ہوئے تھے،
ان سب کو معاف کر دیا۔ اس طرح جو
کچھ ہو چکا تھا، اس کی یاد بھی مِٹا
دی۔ اَیسے رحم کی مثال کہیں نہیں مِل سکتی۔
دیکھو! آٹھ برس پہلے رسول پاکؐ اَور
مسلمان کِس حالت میں مکّے سے نکلے تھے۔
پھر دیکھو نیکی کِس طرح کامیاب ہوئی۔
سچائی نے کِس طرح فتح پائی۔ اِکیس
برس پہلے خدا کا پاک بندہ سچائی کا

پیغام لے کر کھڑا ہوا تھا۔ دیکھتے دیکھتے عرب کے سب سے بڑے سردار سچائی کے سامنے جُھک گئے اور ان کے جُھکتے ہی سارے عرب اسلام کے حلقے میں آ گئے۔

کام پُورا ہوگیا

مکّے کی فتح نے اس کام کو پُورا کرنے کے دروازے کھول دیے، جو خُدا نے رسول پاکؐ کے ذمّے لگایا تھا۔ دو برس میں سب قبیلے مسلمان ہو گئے۔ مدینے میں پہنچے ہوئے دسواں سال تھا کہ رسول پاکؐ نے حج کا اِرادہ کیا۔

حج کے لیے نکلے، تو دائیں بائیں، آگے پیچھے آدمی ہی آدمی تھے۔ ہر زبان پر

ایک صَدا تھی : اے خُدا ہم تیری بارگاہ میں حاضِر ہیں۔ تیرا کوئی ساجھی نہیں۔ ہر تعریف اَور ہر نعمت تیری ہی ہے۔

حج کے موقع پر لاکھ ڈیڑھ لاکھ مسلمان تھے۔ رسول پاکؐ نے ان دِنوں میں جو کچھ فرمایا اس کا نچوڑ یہ ہے :-

۱۔ لوگو! تمھارا رب ایک ہے، تمھارا باپ ایک ہے۔ نہ عرب کا رہنے والا، عجم کے رہنے والے سے بڑا ہے، نہ عجم کا رہنے والا عرب کے رہنے والے سے، نہ کالا گورے سے اُونچا ہے، نہ گورا کالے سے۔ آدمی کی بڑائی کا گُر صِرف نیک کام ہیں۔

۲۔ ہر مُسلمان دُوسرے مُسلمان کا بھائی

ہے اور سب مسلمانوں کے درمیان
برادری کا رشتہ ہے۔
۳۔ جانوں، مالوں اور آبروؤں کی عزّت
اسی طرح کرو، جس طرح حج کے مہینے
کی، حج کے دن کی اور خانہ کعبہ والے
شہر کی عزّت کرتے ہیں۔
۴۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ جو خود
کھاؤ ان کو کھلاؤ۔ جو خود پہنو، ان
کو پہناؤ۔
عین اس موقع پر آیت اُتری کہ دین
مکمل ہو گیا۔ خدا نے اپنی نعمت پوری
کر دی۔
آخر میں آپؐ نے مسلمانوں سے پوچھا
کہ قیامت کے دن تم سے میرے بارے
میں پوچھا جائے گا، بتاؤ کیا کہو گے؟

سب نے عرض کیا کہ "ہم کہیں گے
آپؐ نے خدا کا پیغام پہنچایا اور اپنا فرض
پورا کیا۔" آپؐ نے آسمان کی طرف انگلی
اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا: "خدایا گواہ رہیو۔"
آپؐ حج کر کے واپس گئے، تو کچھ کم
تین مہینے کے بعد اس دنیا سے رخصت
ہو کر خدا کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔ جس
اُمت نے حج کے دِن گواہی دی تھی
کہ رسول پاکؐ نے خدا کا پیغام پہنچایا
اور اپنا فرض پورا کر دیا، وہ اُمت خدا کے
پیغام کو لے کر دنیا میں نکلی، تو ایک
چپّہ بھی نہ رہا، جہاں یہ پیغام نہ پہنچا
ہو۔ زمین و آسمان نے اس پیغام کے
سچّا اور برحق ہونے کی گواہی دی۔
دُنیا کی تاریخ اَب تک گواہ ہے کہ

اس جیسی اُمّت نہ پہلے سورج کی آنکھ نے دیکھی تھی، نہ اس کے بعد دیکھی ؎

سب اِسلام کے حُکم بردار بندے
سب اِسلامیوں کے مددگار بندے
خُدا اور نبیؐ کے وفادار بندے
یتیموں کے رانڈوں کے غمخوار بندے
رہِ کُفر و باطِل سے بیزار سارے
نشے میں مئے حق کے سرشار سارے
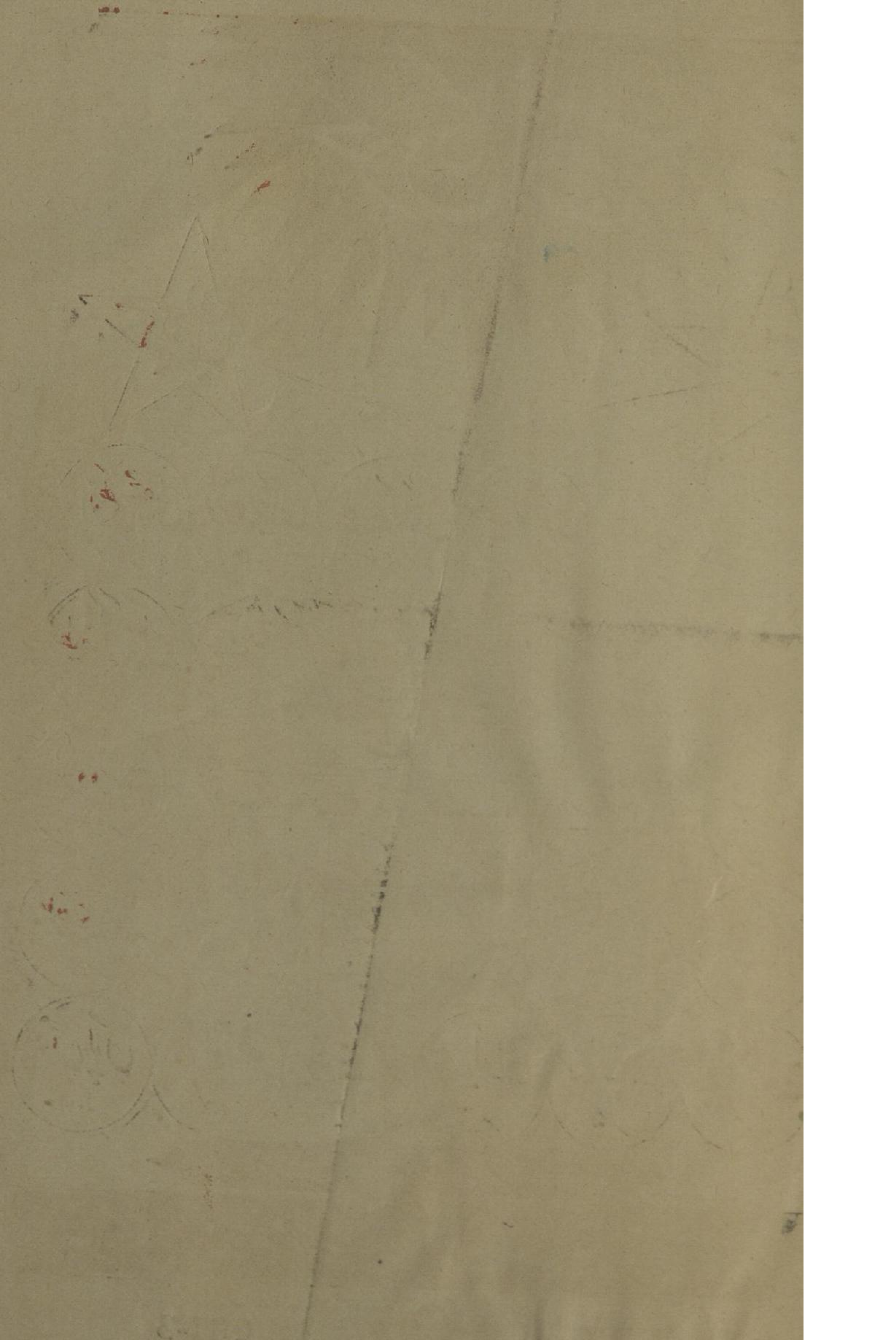
منظور کردہ جناب ڈائرکٹر صاحب تعلیمات لاہور
بمطابق چٹھی نمبر ۲۴۳۵۲ - مورخہ ۱۸/۸/۵۵

0-11-3